اسلامی نظام تعلیم کا مفہوم

مظفر حسین چودھری

شہرۂ آفاق اسلامی سکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس سال وزیر اعظم میاں نواز شریف کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے۔ ملک کے کئی اداروں نے انہیں مختلف موضوعات پر اظہار خیال کے لئے مدعو کیا۔ اسی سلسلہ میں آپ ادارہ امور پاکستان لاہور میں بھی تشریف لائے جہاں آپ کے خطاب کے بعد مختلف سوالات بھی کئے گئے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا: "کیا آپ اسلامی نظام تعلیم کی تشریح فرمائیں گے؟" تو آپ نے فرمایا:

> "میرے خیال میں تعلیم کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی خاص امتیاز نہیں اور واضح طور پر اسلامی نظام تعلیم کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔ تعلیم سب کے لئے ضروری ہے۔ مثلاً اگر آپ بم بنانا یا کوئی کارخانہ لگانا چاہیں تو اس میں اسلامی یا غیر اسلامی تعلیم کا کوئی تعلق نہیں۔ جو بھی علم حاصل کرے گا اسے بروئے کار لا سکتا ہے۔ البتہ چند محدود معاملات ایسے ہیں جن میں اسلامی یا شرعی اقدار کی پاسداری لازم ہے اور غلط روش سے گریز کرنا چاہیے۔ مثلاً تجارتی معاملات، جن میں آج کل پاکستان میں بھی مضاربہ وغیرہ کے ذریعے متبادل اور اصلاحی طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اسلامی نظام جب قرآن اور سنت پر مبنی ہو گا تو ایسی اصلاحات خود بخود رونما ہوں گی' لیکن عام تعلیم کا جو نظام ہے وہ سب کے لئے یکساں ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں حصول علم کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہیں۔" (اردو ڈائجسٹ، ماہ جون ۱۹۹۲ء، صفحہ ۴۳)

محترم جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے ان خیالات سے ہمارے تعلیمی پالیسی سازوں کی سیکولر سوچ کو بہت تقویت ملے گی جو "Islamization of Education" کو ایک ڈھیلی ڈھالی اصطلاح (loose term) سمجھتے ہیں۔ ڈرافٹ نیشنل ایجوکیشن پالیسی (۱۹۹۰) سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "However, several initiatives in the past, using the loose term "Islamization of education" in an attempt to mould the system have not yielded the desired results".

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

محترم جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے علاوہ جرمنی اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں بھی برسوں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں اور عمر بھر آپ نے اسلامی موضوعات پر ہی تحقیق کی ہے۔ اسلئے جب وہ یہ فرماتے ہیں کہ "اسلامی نظام تعلیم کوئی مفہوم نہیں رکھتا" تو اس کا بے لاگ تجزیہ ضروری ہو جاتا ہے۔ "خطبات بہاولپور" میں بھی آپ نے "نظام تعلیم اور سرپرستیٔ علوم" کے عنوان کے تحت جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس میں آپ نے تعلیم کی تشویق' ترویج اور ترقی کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی جمیلہ کا احاطہ تو کیا ہے لیکن دینی اور دنیوی تعلیم کے واضح فرق کے ساتھ۔ یہاں تک کہ قرآن مجید کو بھی دینی اور دنیاوی علوم کا ایک مجموعہ خیال فرماتے ہیں۔ اس خطبے کی بحث کو سمیٹتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

> "میرا گمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کو کچھ تو تعلیم بنیادی دی جائے اور دیگر علوم کے بارے میں بھی اس کے پاس کچھ نہ کچھ معلومات ہوں جو کسی وقت بھی اس کے کام آ سکتی ہیں۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ قرآن مجید کو پڑھو کیونکہ اس میں تمام علوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ مجھے اپنے لیکچر کو اب یہیں روک لینا پڑے گا اور میں سمجھتا ہوں اس قدر معلومات عہدِ نبوی کے تعلیمی انتظامات کے متعلق کافی ہیں۔" (خطبات بہاولپور ص ۲۳۵)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

> "اگر کوئی شخص قرآن مجید کو بار بار پڑھے تو وہ اپنے فن کی چیزوں کو بھی پڑھے گا اور مجبور ہو گا کہ غیر فن کی چیزوں کو بھی خواہ سرسری نظر سے ہی سہی پڑھے اور سمجھنے کی کوشش کرے اور اس کے لئے ایسی معلومات جو اگرچہ اس کے فن سے متعلق نہیں ہیں کسی وقت بھی مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ قرآن میں صرف دین و عقائد' عبادات اور متعلقہ اخلاقی چیزوں ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں اور علوم بھی آتے ہیں۔" (خطبات بہاولپور' ص ۲۳۳)

اسی خطبے میں مکرر فرماتے ہیں:

> " بہر حال ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ قرآن مجید میں مختلف علوم ہیں۔ اس میں تاریخ کا بھی ذکر ہے' اس میں ان علوم کا بھی ذکر ملتا ہے جنہیں ہم سائنس کا نام دیتے ہیں مثلاً علم نباتات ' علم ہیئت' اور حیاتیات ۔ یہاں تک کہ علم جنین کا ذکر بھی ملتا ہے۔"

محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ قرآن حکیم نے

© rasailojaraid.com

جہاں کہیں بھی سائنسی علوم کا ذکر کیا ہے وہاں ان علوم کا ذکر مجرد علم (یعنی سیکولر علم) کے طور پر نہیں کیا گیا بلکہ ان میں لازمی طور پر توحید سمو دی گئی ہے، جس کی بنا پر سارے سائنسی علوم خدا جوئی، خدا شناسی اور خدا رسی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ درحقیقت یہی وہ بنیادی فرق ہے جو اسلامی اور غیر اسلامی علوم کے درمیان امتیاز کو ضروری ٹھہراتا ہے۔ جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اگر اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تو ہمیں ان کے اس موقف کی وجوہ پر غور کرنا چاہئے۔ بڑی وجہ تو یہ ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر ایک محقق ہیں مفکر نہیں۔ تحقیق کے میدان میں بھی ان کی تمام تر دلچسپیاں تاریخ تک محدود رہیں، اس لئے انہیں رائج الوقت نظامہائے تعلیم کے فلسفیانہ مضمرات پر زیادہ غور کرنے کا موقع نہیں ملا۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عرصہ دراز تک مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں سے منسلک رہنے کے باعث وہ اہل مغرب کی اس سیکولر علمی روایت سے متأثر ہو گئے ہوں جس کے تحت دینی اور دنیاوی امور کو جدا جدا رکھنے پر اصرار کیا جاتا ہے۔

اسی لئے وہ اسلامی معاشرے کی تعمیر کے لئے "اسلامی تعلیمات" کے انتظامات (یعنی "دین و عقائد، عبادات اور متعلقہ اخلاقی چیزوں") کو تو ضروری خیال کرتے ہیں لیکن دوسرے سائنسی علوم کو کسی اسلامی نظام تعلیم کے تحت لا کر ان علوم میں کسی نوعیت کی نظریاتی تبدیلی لانے کی ضرورت کا احساس ان کے ہاں سرے سے نہیں ملتا۔ وہ اس بات کا تذکرہ تو کرتے ہیں کہ "Bible, Quran and Science" کا مصنف بوکائی جب علم جنین کی بعض تفصیلات قرآن حکیم میں پڑھتا ہے تو قرآن کی حقانیت سے متأثر ہو کر مسلمان ہو جاتا ہے لیکن اس بات کا کہیں ذکر نہیں فرماتے کہ قرآن جب مختلف سائنسی موضوعات (یعنی مظاہر فطرت) کو زیر بحث لا کر انہیں اللہ تعالیٰ کے نشانات قرار دیتا ہے تو اس کی غرض و غایت کیا ہے؟ دوسری طرف انہیں اس بات پر بھی غور کرنے کا موقع نہیں ملا کہ مظاہر فطرت میں کسی دانا و بینا ہستی کے شعور کی واضح کار فرمائی دیکھ کر بھی سائنس نگاری کے مروجہ اسلوب میں اسکا ذکر کرنے سے مطلق گریز کیا جاتا ہے تو ایک بے خدا کائنات کا تصور کس طرح ذہنوں میں جڑ پکڑ لیتا ہے۔ غالباً اس قسم کے فلسفیانہ موضوعات جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیقات سے کوئی علاقہ ہی نہیں رکھتے۔ ایک اور بات جس پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے غور نہیں فرمایا وہ یہ ہے کہ ہر ریاست اپنی تعلیم کو کسی نظریاتی اصول کے تحت منظم کر کے اسے ایک نظام کی شکل دیتی ہے۔ مثال کے طور

پر امریکہ کا نظام تعلیم ایک جمہوری نظام تعلیم قرار دیا جائے گا کیونکہ وہاں تمام علوم کے ذریعے چند ایسی ثقافتی اقدار کو فروغ دیا جاتا ہے جو ایک جمہوری معاشرے کی تشکیل میں ممد و معاون ہوں۔ خواجہ غلام السیدین نے اپنی کتاب "Educational Philosophy of Iqbal" میں تعلیم کو تمام "ثقافتی قوتوں کا حاصل جمع" (Sum total) قرار دیا ہے جو فرد (شخصیت) اور سوسائٹی (متمدن معاشرہ) کی صورت گری کرتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے تعلیم کو "نظریاتی تولید" (Ideological Procreation) کا نام دے کر تعلیم کی مختصر ترین اور جامع ترین تعریف کی ہے۔ غرض تعلیم کو خواہ "ثقافتی قوتوں کا حاصل جمع" قرار دیا جائے یا "نظریاتی تولید" کا نام دیا جائے کوئی بھی نظریاتی ریاست اپنی تعلیم کا مخصوص نظام وضع کرنے کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو نظام تعلیم کا سوال پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب کوئی ریاست آزاد ہو اور اپنا ایک نظریہ رکھتی ہو۔ محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اپنی زندگی میں کبھی بھی ایک آزاد اسلامی مملکت کے شہری نہیں رہے اس لئے ان کے لئے اسلامی نظام تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ "اسلامی نظام تعلیم" کی اصطلاح کو مفہوم سے عاری قرار دیتے ہیں اور ایک اسلامی معاشرے کی تعمیر کے لئے صرف اسلامی تعلیمات (یعنی "دین و عقائد' عبادات اور متعلقہ اخلاقی چیزیں") پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ایسا اسلامی معاشرہ تو ایک غیر مسلم ریاست میں بھی قائم و مستقر ہو سکتا ہے مگر پاکستان چونکہ ایک آزاد اسلامی مملکت ہے اس لئے اسلامی نظام تعلیم اس کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

اسلام کے سیاسی غلبے کی صورت میں پوری کی پوری زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ضروری ہو جاتا ہے جو اسلامی نظام تعلیم تشکیل دیئے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس لئے محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا موقف کہ اسلامی نظام تعلیم سرے سے کوئی مفہوم ہی نہیں رکھتا پاکستان کے حالات میں نظرثانی کا محتاج ہے۔ اتنی بات تو وہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی نظام جب قرآن و سنت پر مبنی ہوگا تو ایسی اصلاحات خود بخود رونما ہوں گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com